صوفیانہ ادب اور ضرورت منہاج تحقیق

ملفوظات اور تذکروں کے لطائف کے حوالے سے

پروفیسر ریاض الاسلام
پروفیسر ایمرٹیس
شعبۂ تاریخ، کراچی یونیورسٹی، کراچی

صوفیانہ ادب میں لطیفہ کیا چیز ہے؟ دراصل کسی بھی چیز کی اصطلاحی تعریف کرنا ایک مشکل کام ہے۔ لطیفہ کی تعریف کرنا بھی آسان نہیں۔ خود صوفیانہ ادب میں یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں یہ اصطلاح جس میں معین اور محدود معنی میں استعمال کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ لطائف وہ باتیں ہیں جو صوفیہ کے ملفوظات میں یا ان کے تذکروں میں یا اصول تصوف کی کتابوں میں بطور سوانح، شخصی واردات یا بطور قصہ بیان کی گئیں۔ جہاں گفتگو یا بیان غیر شخصی رنگ اختیار کرلیتا ہے اور پیرایہ بیان خالص علمی ہوجاتا ہے۔ تو پھر بات ''لطیفہ'' کی حدود سے باہر نکل جاتی ہے۔

لطائفی ادب:

یہ مضمون صوفیانہ ادب کے ان لطائف پر مرکوز ہے جو اوپر ہوئی تعریف کے حدود میں آتے ہیں۔ ملفوظات اور تذکروں میں خصوصاً اور اصول تصوف کی کتب میں عموماً لطائف کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ بعض ملفوظات کا بڑا حصہ لطائف پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' اور ان کے خلفیہ اعظم شیخ نصیر الدین چراغ کے ملفوظ ''خیر المجالس'' اور بعض دیگر ملفوظات کی ترتیب علوم کی شاخوں کی مناسبت سے ہوئی ہے اور ان میں لطائف کا عنصر محدود ہے۔ مثلاً مخدوم جہانیان جہاں گشت کے ملفوظات ''سراج الہدایہ'' تصوف کی اصولی کتابوں مثلاً ''کتاب التعرف'' (کلاباذی) ''کتاب اللمع'' (ابو المفر سراج) ''رسالہ قشیریہ'' اور کشف المحجوب'' (ہجویری) میں لطائف کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ صوفیانہ مطالعات کے فروغ کے باوجود لطائف کے خصوصی مطالعے پر کما حقہ توجہ نہیں دی گئی۔ نہ تو لطائف کی تاریخ پر غور کیا گیا ہے، نہ ان کے سوابق اور لواحق پر نہ ان کی ہیئت ترکیبی پر۔ اور تجزیہ کا عمل تو لطائفی ادب کو چھو

کر بھی نہیں کیا گیا۔ جب صوفیانہ ادب کا ایک معتدبہ حصہ لطائف پر مبنی ہے تو لطائف کے ناقدانہ تجزیہ اور ایک منضبط منہاج تحقیق Methodology کے بغیر کس طرح حق مطالعہ ادا کیا جاسکتا ہے؟۔

لطائفی ادب کے مسئلہ پر کئی زاویوں سے نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ اس صنف کا آغاز خود ایک دلچسپ موضوع ہے۔ لطائف کی ماہیت پر نظر کریں تو یہ گمان ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے اس کا تعلق قصص کی روایت سے ہے۔ اسلامی مذہبی ادب میں انبیاء کے قصص کو ایک اہم مقام حاصل ہے، لیکن یہ بھی ایک امر مسلمہ ہے کہ روایاتی قصص انبیاء میں معتدبہ حصہ اس قبیل سے ہے جسے ''اسرائیلات'' گردانا جاتا ہے اور جسے اب لائق اعتماد نہیں سمجھا جاتا۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی کتاب ''قصص القرآن'' میں بار بار اس امر پر اظہار تاسف کیا ہے کہ بعض مفسرین نے ''اسرائیل خرافات'' اور اسرائیلی ہفوات'' کو قصص کی تفسیر میں شامل کرلیا ہے۔[۱] بہر حال صوفیانہ لطائف اور روایاتی قصص الانبیاء کے روابط کا مسئلہ تحقیق طلب ہے اور یہ مختصر مضمون اس پہلو کا اجمالی احاطہ بھی کرنے سے قاصر ہے۔

لطائفی ادب مختلف الالوان عناصر کا مجموعہ ہے۔ اس میں روحانیت اور حکمت کے ہیرے جواہر بھی ملیں گے اور جلالی لطائف کے تیز دھاری پتھر بھی، انفاق، ایثار اور انسانی ہمدردی کے اعلیٰ ترین نمونے بھی اور نفس کشی اور کنبہ گریزی کے قصے بھی۔ لطف یہ ہے کی ہمدردی صرف مسلمانوں اور صرف انسانوں تک محدود نہیں تھی، ان میں جانوروں سے ہمدردی کے ایسے حیرت انگیز قصے ملتے ہیں، جن میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ بیمار جانوروں کی دیکھ بھال تمام عبادات اور زہد و ورع سے بلند تر مقام رکھتی ہے۔ جہاں تک لطائف میں رشد و ہدایات کے اسباق کا تعلق ہے تو صوفیانہ تعلیمات کا شاید ہی کوئی پہلو ہو جو لطائف میں کسی نہ کسی شکل میں پیش نہ کیا گیا ہو۔

لطائف میں چند عناصر بھی ہیں جن کا تواتر بھی زیادہ ہے اور انہیں علمی مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں مزید جزم واحتیاط بھی ضروری ہے۔ ان میں پہلے تو کرامات اور خصوصاً تقابلی کرامات کے لطائف ہیں۔ تقابلی کرامات سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ شیخ یہ کچھ کرسکتا ہے تو یہ شیخ اس سے زیادہ کرسکتا ہے۔ اگر اس کا چہرہ دیکھ کر جنت جانا یقینی ہوجاتا ہے، تو اس کی بستی سے صرف گزرنا ہی اس مقصد کے لئے کافی ہے۔ تقابلی کرامات کے ساتھ فعل کی چاشنی آنا لازمی ہے۔

دوسرا عنصر شطحیات ،وہ اقوال یا باتیں، ہیں جو صوفی حضرات سکر اور جذب کی حالت میں کہہ گذرے ہیں ۔شطحیات گوئی میں بلند پایہ شیوخ بھی ہیں اور ان سے کم درجے کے بزرگ بھی شامل ہیں۔ سطحیات میں صوفیوں نے کیا کچھ نہیں کہا؟ اس شطحیات کی توضیح بھی کی گئی اور ان توضیحات نے ایک نئی صنف کی شکل بھی اختیار کرلی۔لیکن ایسے اقوال بھی ہیں جن پر توضیح کی چادر چھوٹی پڑجاتی ہے۔

غرض یہ کہ تقابلی کرامات ،تعلّی ،شطحیات اور لطائف المجاز (یعنی عشق ومحبت کے واقعات جو بسا اوقات توضیحی مثال کی طرح استعمال کئے گئے ہیں) نے لطائفی ادب کو مجموعی طور سے ایک ایسی صنف کا مواد بنادیا ہے جس کوعلمی سطح پر استعمال کرنے میں بڑی شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔

لطائفی ادب کی مقبولیت:

لطائفی ادب میں بڑی دلآویزی ہوتی ہے اسی وجہ سے اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔اس کا سبب بیان کرنا مشکل نہیں۔ دلیل ،چاہے وہ فقہی ہو یا اصول تصوف کی ، اس کا سمجھنا عام آدمی کے لئے محال ہے ۔ پڑھے لکھے لوگوں کی اکثریت کے لئے بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔لیکن اسی بات کو لطیفہ میں لپیٹ کر بیان کردیجئے تو اس کو ہر شخص دلچسپی سے سنے گا۔ عام لوگ اس کے سیدھے سادے معنی سمجھ جائیں گے اور خاص لوگ لطیفے کی معنویت پرغور کریں گے۔صوفیہ کا واسطہ چونکہ ہر طبقے کے لوگوں سے ہوتا تھا اور بعض صوفیانہ سلسلے عوام سے قریبی رابطے رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے لطائف کو اپنی تعلیم اور تبلیغ کے ذریعے کے طور پر اختیار کیا، اور ابلاغ کی حیثیت سے اس کی تاثیر کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ بعض اکابر صوفیہ نے لطیفہ بیان کرنے کا بڑا دلنشین پیرایہ وضع کیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے لطائف جو ان کے ملفوظات'' فوائد الفوائد'' میں دئے گئے ہیں، ان میں بڑی دلآویزی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ان کی شخصیت کے جمال کے آئینہ دار ہیں۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ اس عہد کے صوفیانہ ادب میں لطائفی عنصر کا فروغ ایک طرف مذہبی اور روحانی تقاضوں کی پیداوار تھا تو دوسری طرف اس نے تصوف کے ابلاغ کی ضرورت کو بھی باحسن وجوہ پورا کیا۔

لطائف کی پرکھ:

اب مسئلہ یہ ہے کہ جب لطائف کا عنصر صوفیانہ ادب میں اتنا اہم ہے تو اسے کس طرح

پرکھا جائے؟ کیا تمام لطائف کو جو قابل اعتبار یا قریب الاعتبار ملفوظات میں پائے جاتے ہیں، صحیح مان لیا جائیں؟ اور کیا صحیح ماننے کے معنی یہ ہیں کہ ان لطائف کے مندرجات کو تاریخ میں گذرے ہوئے واقعہ کی طرح سمجھا جائے؟ یا اس امر کا امکان ہے کہ بعض یا بہت سے لطائف کسی خاص نکتہ کو اجاگر کرنے کے لئے وضع کیے گئے ہوں؟ مراد یہ ہے کہ اگر یہ مان بھی لیاجائے کہ لطیفہ کی روایت صحیح ہے یعنی جن بزرگوں سے منسوب ہے، انہوں نے کم وبیش انہی الفاظ میں بیان کیا تھا جو ملفوظ یا تذکرۂ میں دیے گئے ہیں،تو کیا یہ ضروری ہے کہ لطیفہ میں بیان کردہ واقعات کو اصلاً صحیح سمجھا جائے؟ دراصل جس طرح تاریخی واقعات کے پرکھنے میں اعتبار اور بے اعتباری کی سطحیں آتی ہیں، اسی طرح لطیفوں میں درجہ اعتبار متعین کرنا یا کم ازکم متعین کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

لطائف اور مثالیہ:

یہ بات خاص طور سے قابل توجہ اور تنقیح ہے کہ کوئی لطیفہ کے کتنا قریب ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں اس لفظ کے معنی یہ بتائے گئے ہیں ’’مفروضہ واقعات کا بیان‘‘ کسی اخلاقی یا روحانی بات کو بطور مثال سمجھانے کے لئے‘‘۔ اس معنی کے لحاظ سے مثالیہ میں بیان کردہ واقعیات مفروضہ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ چیمبر ز ڈکشنری میں دئے ہوئے معنی کسی قدر مختلف ہیں۔’’ کہانی یا قصہ جس میں بیان کردہ باتوں میں سے ہوسکتا ہے کچھ واقع بھی ہوئی ہوں، اور جسے کسی عقیدے، نظریے کو بطور مثال سمجھانے کے لئے یا کسی ڈیوٹی یا فریضہ کو واضح کرنے کے لئے بیان کیا جائے۔‘‘ اس دوسرے معنی میں یہ گنجائش ہے کہ Parable کا کچھ حصہ واقعتاً بھی صحیح ہو،لیکن دونوں لغات میں زور مقصد پر ہے، بیان کردہ قصہ کی صحت پر نہیں۔ لطائف کی چند مثالوں سے زیر بحث نکتہ واضح ہوجائے گا۔ رسالہ قشیریہ میں یہ لطیفہ درج ہے کہ’’ایک شخص نے ایک لونڈی بطور تحفہ جبلہ ابن سحیم کے پاس بھیجی۔ اس وقت وہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ تو بہت بری بات ہے کہ تمہاری موجودگی میں اسے میں لے لوں اور میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ تم میں سے کسی خاص ایک شخص کو دے دوں، جبکہ تم میں سے ہر ایک کا حق اور احترام ہے، مگر لونڈی تو تقسیم نہیں ہوسکتی۔ وہ سب اسی کے آدمی تھے۔ لہٰذا انہوں نے ہر ایک کو ایک ایک لونڈی بخش دی ۲ یہ لطیفہ صوفیوں کے جودوسخا کے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر اسے واقعہ مان لیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صوفی موصوف کے پاس اتنی باندیاں ہونے

کا کیا جواز تھا۔ اور اگر الفاظ کے معنی کو کھینچ تان کر کے یہ سمجھا جائے کہ صوفی نے اتنی کنزیں خرید کر لانے کا حکم دیا تو یہ بات بجائے خود احسن نہیں۔ سوال پیدا ہوگا کہ صوفی کے پاس اتنے مال دولت کا کیا کام؟ لیکن اگر اس لطیفہ کو مثالیہ Parable گردانا جائے تو پھر اس میں جو مبالغہ کا عنصر ہے وہ اپنے اصل پیمانے پر آجاتا ہے، اس لئے کہ مثالیہ میں مبالغہ کی گنجائش ہوتی ہے۔ Parable میں یہ بھی گنجائش ہوتی ہے کہ کوئی انوکھی بات کہی جائے تو قابل توجہ ہو مثلاً ''رسالہ قشیریہ'' ہی میں بیان موجود ہے کہ'' ایک شخص نے ایک عورت سے رشتہ کیا۔ قبل اس کے کہ وہ اس کے گھر آتی اسے چیچک ہوگئی اور ایک آنکھ جاتی رہی۔ مرد نے جب یہ سنا تو اس نے بھی کہا میری آنکھ میں درد ہے، پھر کہا کہ میں نابینا ہوگیا۔ پھر وہ عورت اس کے گھر آگئی اور بیس سال اس کے گھر رہی، پھر مرگئی، تب اس شخص نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں نے کہا یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا میں نے (دانستہ) اپنے کو اندھا بنالیا تھا تاکہ اس عورت کو میری طرف سے کوئی فکر نہ۔ ہو لوگوں نے کہا کہ تو تو جوانمردی میں سب پر سبقت لے گیا۔''[۳]

یہ لطیفہ بھی ایثار کے مثالیہ کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اسے اصل واقعہ ماننے سے اشکال پیدا ہوگا۔

ایسے لطائف بے شمار ہین جو بیّن طور پر مثالیہ ہیں۔ مثالیہ کی ایک اچھی مثال حسب ذیل ہے: سر محمدی جو خواجہ گیسو دراز کے ''احوال وافعال واقوال'' پر مشتمل ہے اور خواجہ کی وفات کے صرف پانچ سال بعد مرتب ہوئی، اس میں درج ہے کہ خواجہ جامع مسجد دہلی کے سامنے سے گذر رہے تھے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو قے کررہا تھا اور اس کے منھ سے بگنی (شراب) اور گوشت کے تکّے نکل کر باہر آرہے تھے جسے ایک خارش زدہ کتا کھا رہا تھا۔ جو لوگ وہاں سے گذر رہے تھے وہ اس شخص پر لعن طعن کررہے تھے۔ حضر مخدوم کو اس شخص کی پیشانی پر نعمت کے آثار نظر آئے، وہ جب وہاں سے چلا تو آپ اس کے پیچھے ہولئے۔ وہ شخص ایک حوض پر گیا اور اس نے وضو کیا اور دیر تک مضمضہ (غرارہ) کرتا رہا۔ پھر اس نے دوگانہ ادا کیا۔ حضرت بندگی مخدوم نے اسے بڑی سخت قسم دے کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے ناچار ہوکر بتایا کہ میں ابدال ہوں، میرا نام رکن الدین ہے۔ میں یہاں سے ہزار کوس دور ایک جگہ پر تھا، مجھے حکم ملا کہ جامع مسجد، دہلی کے دروازہ پر ایک خارش زدہ کتا ہے جو کمزوری کے باعث چل پھر نہیں سکتا۔ تم وہاں جاؤ، بگنی اور گوشت خرید و اور کھاؤ اور پھر اس کتے کو کھلاؤ۔[۴]

خواجہ گیسودراز کا ہی بیان کیا ہوا ایک اور لطیفہ ''جوامع الکلم'' (مخطوطہ برٹش میوزیم) میں دیا ہوا ہے جس کی تفصیل بڑی دلچسپ ہے۔ اس کا اجمال یہ ہے کہ خدا نے ایک زاہد کوخبر دار کیا کہ وہ شہر پر آگ کا عذاب نازل کرنے والا ہے اور تمام شہر میں صرف ایک گھر محفوظ رہے گا، اور وہ ایک فاحشہ عورت کا ہے، زاہد نے اس فاحشہ کے گھر جا کر پناہ لی۔ بعد میں یہ راز کھلا کہ اس شہر میں ایک خارش زدہ کتا تھا، جسے ہر شخص دھتکار کر بھگا دیتا تھا۔ صرف اس عورت نے اس کی خبر گیری کی تھی۔ تمام اہل شہر جل کر خاک ہوگئے اور زاہد بھی اپنے زہد کے باوجود صرف اس طرح بچ سکا کہ رات فاحشہ کے سایہ حفاظت میں گذاری تھی۔۵

یہ دونوں لطیفے واضح طور پر مثالیہ ہیں اور ان کا پیغام یہ ہے کہ خدا کی کمین ترین مخلوق بھی ہمدردی اور رحم کی مستحق ہے۔ دوسرے لطیفہ میں تاکید مزید اس پر ہے کہ اس ہمدردی کے بغیر عمر بھر کا زہد بے سود ہوسکتا ہے اور یہ ہمدردی ہوتو عمر بھر کا عصیان بھی قابل معافی ہے۔ پہلے لطیفہ میں یہ پیام بھی لپٹا ہوا ہے کہ بندہ کو اپنے رزق کے لئے خدا پر بھروسہ کرنا چاہئے جو مریل کتے کے لئے بھی ہزاروں میل دور سے کسی کو بھیج کر انتظام کرسکتا ہے۔

اس نوع کے لطیفے تصوف کی اصولی کتب اور تذکرہ وملفوظ میں پائے جاتے ہیں اور ان کا مقصد ظاہر ہے۔ یہاں یہ وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ مذہبی کتب میں مثالیہ Parable کی ہمیشہ بڑی اہمیت رہی ہے، اور اکثر الہامی کتب مثلاً عہد نامہ ہائے عتیق وجدید میں اسے اخلاقی سبق اور مذہبی ہدایات کے ابلاغ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اس سیاق وسباق میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ صوفیانہ ادب میں بہت سے لطائف کو بطور واقعہ بیان کیا گیا ہے چنانچہ ابدال رکن الدین سے ملاقات اور گفتگو کی جزئیات اس کی شاہد ہیں کہ انہیں بطور امر واقعہ پیش کیا گیا۔

ایک اور پرکھ:

کسی لطیفہ کی اہمیت اور اعتبار کو جانچنے کے لئے ایک اور پرکھ یہ ہے کہ آیا انواع کے لطیفے پہلے بھی آچکے ہیں؟ تلاش کیا جائے تو ایسے لطائف خاصی تعداد میں ملیں گے، جن سے ملتے جلتے لطیفے پیش رفتہ مأخذ میں موجود ہیں۔ اسکی سب سے دلچسپ اور نمایاں مثال حسب ذیل ہے: ''رسالہ قشیریہ'' میں ہے کہ شفیق بلخی نے جعفرؒ بن محمدؒ الصادق سے فتوت کے بارے میں معلوم کیا۔ انہوں نے کہا پہلے

تم بتاؤ، شفیق نے کہا اگر (دینے والا) دیتا ہے تو ہم شکر کرتے ہیں، نہیں دیتا تو صبر کرتے ہیں۔ جعفرؑ نے کہا کہ" ہمارے یہاں مدینہ کے کتے بھی یہی کرتے ہیں۔" شفیق نے دریافت کیا کہ" اے ابن رسولؐ! پھر فتوت کیا ہے؟" انہوں نے فرمایا" اگر دیتے ہیں تو ایثار کردیتے ہیں، نہیں دیتے تو صبر کرتے ہیں ۶ " پھر شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری ہروی نے" طبقات صوفیا" میں بیان کیا ہے کہ شقیق بن ابراہیم بلخی نے ایک وقت ابراہیم ادھم سے کہا کہ آپ حصول معاش کس طرح کرتے ہیں" انہوں نے کہا کہ" جب مل جاتا ہے تو خدا کا شکر کرتے ہیں اور انہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔ شقیق نے کہا کہ خراسان کے کتے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ۷ ابو حامد غزالی کی" احیاء العلوم" جلد چہارم میں بھی ابراہیم بن ادھم اور شقیق بلخی کی گفتگو قدرے مختلف پیرایہ میں دی ہے لیکن زیادہ اہم فرق یہ ہے کہ" بلخ کے کتے" والا فقرہ یہاں ابراہیم ادھم کہتے ہیں ۸ پھر عوارف المعارف" میں ہے کہ اسی قسم کا ایک جواب ایک نوجوان صوفی نے بایزید بسطامی کو دے کر انہیں لاجواب کردیا تھا۔ ۹

یہ ایک لطیفے کی چار شکلیں ہیں۔ بنیادی بات ایک ہی ہے لیکن افراد بدلتے جاتے ہیں۔ " احیا العلوم" اور " طبقات الصوفیہ میں افراد ایک ہی ہیں لیکن ان کے رول برعکس ہیں۔ گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ مل جائے تو شکر کرنا ورنہ صبر کرنا تو معمولی درجہ کی بات ہے، صوفی کو اس سے کچھ زیادہ کرنا چاہئے۔ صوفیوں کے اوصاف میں یہ لطیفہ ایثار کے ماتحت جگہ پائے گا۔

ایک ہی قصبہ کی چار مختلف شکلیں دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک اصل ہوگا۔ اور بقیہ تین اس کی بدلی ہوئی شکلیں ہوں گی۔ یعنی اصل واقعہ کو صحیح مان لیاجائے توباقی تین روایتیں وضعی ہیں۔ یہ امکان بھی خارج از بحث نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس نوع اصل لطیفہ ان چار لطائف سے پہلے موجود ہو! اور کوئی متجسس اسکالر جلد یا دیر میں اس کا کھوج لگالے پھر یہ چاروں لطائف وضعی ہوجائیں گے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ اس نوع کے اولین لطیفہ میں صرف اتنی بات کہی گئی ہو کہ قوت لایموت ملنے پر شکر اور نہ ملنے پر صبر عام درجہ کی بات ہے یعنی ناکافی ہے۔ لیکن لطیفہ نگار نے بات میں تیکھا پن پیدا کرنے کے لئے کتوں کی مثال کا اضافہ کردیا ہو۔ اگر یہ آخری گمان صحیح ہوتو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ لطیفہ نگار نے ایک روایت کو ایک مثالیہ Parable میں تبدیل کردیا۔

مماثل لطائف کی ایک اور بہت اچھی مثال" شیر وگلاب " والے لطیفے ہیں۔ اس عنوان

کا پہلا لطیفہ جہاں تک میرے علم میں ہے، سب سے پہلے شیخ عبدالحق دہلوی کی کتاب ''اخبارالاخیار'' میں ملتا ہے جس کا رائج متن ۹۲-۱۵۹۱/۱۰۰۰ کے چند سالوں کے اندر مرتب ہوا۱۰۔ بیان ہے کہ شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی ملتانی جب ملتان میں مستقل قیام کے لئے آئے تو شیوخ ملتان کو ان سے حسد پیدا ہوا اور انہوں نے بطور کنایت دودھ سے بھرا پیالہ شیخ کی خدمت میں بھیجا، مراد یہ تھی کہ شہر میں کسی اور کی گنجائش نہیں۔ شیخ یہ بات سمجھ گئے اور انہوں نے دودھ کے پیالہ پر ایک پھول رکھ کر واپس کردیا۔ مراد یہ تھی کہ شہر میں اس طرح رہوں گا جیسے دودھ کے پیالہ پر پھول تیرتا ہے۔ مشائخ ملتان اس ادا کی لطافت سے حیران رہ گئے اور شیخ کے مطیع ہوگئے۔ ''اخبار الاخیار'' بڑی تلاش وتحقیق کے بعد لکھی گئی ہے اور اس کا عام انداز سنجیدہ ہے اور یہ لطیفہ لطافت سے خالی بھی نہیں۔ طبع سلیم اسے تسلیم کرسکتی ہے۔ اس کے ماننے میں اگر تامل ہوتا ہے تو اس لئے کہ یہ بات شیخ کے وصال (قریب ۱۲۶۷ء) کے قریب سوا تین سو سال بعد ضبط تحریر میں آتی ہے، اور اس کا استناد بھی نامعلوم ہے۔ مزید برآن فضل اللہ جمالی جو اصلاً سہروردی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود شیخ کے آثار کی تلاش میں ملتان گئے تھے، انہوں نے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اب اس لطیفہ کی دوسری شکل دیکھئے: الہ دیا چشتی نے خواجہ شمس الدین ترکؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ اپنے مرشد کے حکم کے مطابق پانی پت پہنچے تو انہوں نے وہاں کے بزرگ شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ کو اپنے ملازم کے ہاتھ دودھ سے بھرا پیالہ سلام کے ساتھ بھجوایا۔ قلندر صاحب یہ دیکھ کر مسکرائے اور انہوں نے گلاب کا پھول جو سامنے رکھا تھا، دودھ پرڈال دیا اور پیالہ سلام کے ساتھ واپس بھجوادیا۔ جب یہ پیالہ واپس پہنچا تو خواجہ صاحب بھی اسے دیکھ کر مسکرائے حاضرین نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میری طرف سے پیالہ شیر بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ ملک (یعنی علاقہ) مجھے میرے مرشد نے عطا کیا ہے اور یہ میری ولایت سے معمور (یعنی پر) ہوگیا ہے، اور برادرم قلندر نے جو پھول ڈال کر پیالہ واپس کیا تو اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ انہیں میری ولایت سے کوئی تعلق نہیں اور وہ گل کی مانند اس شہر میں رہیں گے۔ پھر لوگوں نے قلندر صاحب سے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی معنی بتائے ۱۲۔ ''سیر الاقطاب'' کا یہ لطیفہ مبینہ وقوع کے قریب تین سو سال بعد تحریر میں آیا۔ الہ دیا چشتی نے اس کا مأخذ تو نہیں بتایا لیکن وہ پانی پت کے خاندان شیوخ سے اپنا رشتہ بتاتا ہے اور گمان ہوتا ہے کہ اگر یہ لطیفہ اس کی اپنی ایجاد نہیں تھا تو اس نے اس کی روایت اپنے

خاندان والوں سے سنی ہوگی۔ یہ بات تو بہر حال ظاہر ہے کہ یہ ملتان سے متعلق لطیفہ کا ہی چربہ ہے۔ اس دوسری شکل میں شیر اور گلاب کی ترسیل میں ترتیب بدل کر لطیفہ کو ایک نئی شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لطیفہ کی یہ دوسری روایت ناقدانہ نظر رکھنے والوں کو مطمئن نہیں کرسکتی ، اب لطف کی بات یہ ہے کہ مولانا صباح الدین عبد الرحمٰن مرحوم نے اپنی کتاب ''بزم صوفیہ'' میں ملتان والے لطیفہ کا ذکر تو نہیں کیا، لیکن پانی پت والے کا کیا ہے ۱۳؎

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شیر وگلاب کے پہلے لطیفہ کے صحیح ہونے کا امکان ہے اوراگر چہ اس کا استناد ضعیف ہے جبکہ دوسرا لطیفہ ساقط الاعتبار معلوم ہوتا ہے۔

ایک اور نوع کے لطیفے جو ملفوظات اور تذکروں میں بڑے تواتر سے نظر آتے ہیں، ان کی جانب ایک اجمالی اشارہ کافی ہے۔ ''رسالہ قشیریہ'' میں بیان ہے کہ ابراہیم ادہم کو ایک وقت کشتی میں بیٹھنا تھا، جس کا کرایہ ایک دینار تھا، مگر ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انہوں نے دورکعت نماز پڑھی اور خدا سے کہا کہ مجھ سے رقم مانگ رہے ہیں جو میرے پاس نہیں۔ آن واحد میں تمام ریت دینار کے ڈھیر میں بدل گئی۔ ۱۴؎ ''رسالہ قشیریہ'' سے پہلے ایک ایسا ہی لطیفہ ''کتاب اللمع'' میں ابو الحسن بصری کے حوالہ سے ایک سیاہ فام فقیر کے بارے میں آتا ہے۔ ۱۵؎ اس قسم کے دریائے زر'' والے لطائف شیخ نظام الدین اولیاء ۱۶؎ اور بہت سے دیگر شیوخ کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں۔ در اصل ان لطائف کا ایک بڑا واضح مقصد تھا اور وہ یہ کہ عوام ، امراء اورحکام ، غرض سب کو متنبہ کیا جائے کہ شیخ ان کی رقوم کے محتاج نہیں، ان کے لئے زمین اور آسمان کے خزانے کھلے ہوئے ہیں۔ (یہ الفاظ ایک لطیفہ کی عبارت سے لئے گئے ہیں۔)اور کوئی شخص اگر کوئی چیز پیشکش کے لئے لاتا ہے تو اس سے شیخ کی امداد نہیں ہوتی بلکہ دینے والے کی اپنی بھلائی ہوتی ہے۔ ان لطائف کا تواتر ہی ان کا اعتبار کھونے کے لئے کافی ہے۔

لطائف کی زمرہ بندی:

صوفیانہ لطائف کی اہمیت اور معنویت کو پوری طرح سمجھنے اور اعتبار کو پرکھنے کے کام میں ایک طریقہ جو بے حد مفید اور موثر ثابت ہوسکتا ہے وہ لطائف کی زمرہ بندی (اور بعض صورتوں میں ذیلی زمرہ بندی) کا ہے۔ اس طریقہ کو اب تک نظر انداز کیا گیا ہے۔ سائمنی ڈگبی نے اپنے مضمون

Onalandars end Related Groupsمیں قلندروں کے بارے میں لطائف کے چھ زمرے قائم کئے ہیں ۱۷ یہ زمرہ بندی ایک رہنما کوشش کی حیثیت سے اہم ہے۔لیکن لطائف کی صرف ایک نوع مربوط ہے۔ بطور مجموعی صوفیانہ لطائف کے لئے زیادہ وسیع بنیادوں پر زمرہ بندی درکار ہوگی۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ایک اسکالر کی وضع کردہ زمرہ بندی دوسرے اسکالر کی زمرہ بندی سے مختلف ہوسکتی ہے۔ ہر اسکالر اس کام کو اپنے نقطہ نظر، موضوع تحقیق اور مقاصد کار کے لحاظ سے ترتیب دے گا۔ البتہ اس کا امکان ضرور ہے کہ لطائف کی زمرہ بندی کے کام میں کماحقہ پیش رفت کے بعد وہ مرحلہ آجائے جب ایک بنیادی زمرہ بندی قائم ہوجائے جس میں ہر اسکالر اپنے کام کی نوعیت کے اعتبار سے ضروری ردوبدل کرسکے۔

تصوف پر تحقیق کرنے والے علماء نے بالعموم لطیفہ کو ایک وحدانیہ سمجھ کر استعمال کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہر لطیفہ کو تاریخی شہادت کی طرح مان لیاجائے تو تصوف کی عجیب وغریب تاریخ مرتب ہوگی۔ زمرہ بندی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہر لطیفہ کو ایک جداگانہ اکائی کی طرح رکھا اور پرکھا جائے، اسے انہی نوع کے لطائف کے ساتھ رکھ کر اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح دو باتیں تو فوراً سامنے آسکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ لطیفہ نگار کے پیشروؤں نے اس لطیفہ کو کس طرح اور کس مقصد کے لئے پیش کیا اور لطیفہ میں کون سا پیام ہوا؟ دوسرے یہ کہ زیر مطالعہ لطیفہ کہاں سے لیا ہے؟ اس میں کتنا تصرف کیا ہے؟ اور کس مقصد کے لئے مختلف طور سے استعمال کیا گیاہے؟ اور اس کا پایہ اعتبار کیا ہے؟

یہ بات بھی زیادہ وضاحت طلب نہیں کہ مختلف زمرہ بندیاں مرتب ہوسکتی ہیں، مثلاً ایک عام زمرہ بندی اس بنیاد ہوسکتی ہے کہ لطائف میں تاریخیت کتنی ہے، یعنی کون سے لطائف خالص یا بڑی حد تک تاریخی ہیں کون سے ایسے ہیں جن میں تاریخی اور غیر تاریخی عناصر خلط ہیں؟ اور کون سے ایسے ہیں جو محض مثالیہ Palable ہیں۔ ایک زمرہ بندی موضوعاتی ہوسکتی ہے، یعنی موضوعات کی اپنی اہمیت کے لحاظ سے زمروں کی فہرست قائم کرکے ان کے ماتحت لطائف کی صف بندی کی جائے، مثلاً فقر کے لطائف ورع کے لطائف، حج کے بارے میں لطائف، فتوح کے لطائف وغیر وغیرہ۔ایک محدود لیکن دلچسپ زمرہ بندی ایسی ہوسکتی ہے جو علامتی نشانات کے ماتحت ہو، جیسے ''شیروگلاب'' کے لطائف ''دریائے زر'' کے لطائف یا ''لطائف المجاز'' جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔

راقم الحروف کی توجہ فی الوقت صوفیانہ سلسلوں کی تعلیمات اور معاشرہ اور معاش پر ان کے اثرات پر مرکوز ہے۔اس نقطہ نظر سے میں نے جو زمرہ بندی کی ہے۔اسکے کچھ عنوانات حسب ذیل ہیں:

انفاق ، ایثار اور خیرات (داودہش) اور فیاضیانہ مہمانداری کے وصف میں لطائف ۔ فتوحات کے ردوقبول کے بارے میں ۔فتوحات کی تقسیم اور استعمال کے بارے میں ، شیخ کے یادیگر شیوخ کے جلالی انداز کے لطائف ، یعنی تلطف ، مہربانی وعفو، رحم کے قصے، خوابوں کی تعبیر کے قصے۔ ایسے لطائف جن میں گنہگاروں پر رحمت خداوندی کے نزول کا اور زہاد کی رحمت ونعمت سے محرومی کا ذکر ہے۔کراماتی لطائف ، خصوصاً ''دریائے زر'' والے قصے ۔کرامات کی کئی ذیلی زمرہ بندیاں ممکن ہیں۔فقر کے لطائف اور ان میں خصوصاًفاقے کے لطائف ۔ اہل وعیال کی ذمہ داری پوری کرنے کے لطائف (ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے) توکل، فقر، زہد، تجرد ، ازدواج اور کسب کے بارے میں لطائف، لطائف المجاز، حسن وعشق کے لطائف ، بیشتر عشق حقیقی کے مسائل سمجھانے کے لئے مرشد اور مریدوں کے روابط اور طریقہ تربیت کے لطیفے ،قلندروں سے ، مردان غیب سے ، علماء سے ، مجذوبوں سے، غلاموں سے ، اور جوگیوں سے روابط کے قصے۔تعلی آمیز لطائف ۔ یوں تو انکسار اور نفس کشی تصوف کے اولین اوصاف میں ہیں، پھر بھی صوفیانہ لطائف تعلی سے یکسر خالی نہیں ۔ (۱۷۔الف) دوسرے شیوخ سے یا جوگیوں وغیرہ سے مسابقت کے قصے، یکبارگی موت واقع ہونے کے قصے، لطائف جن سے معاشی یا سماجی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ لطائف جن میں تاریخی مواد ہے۔ یانظام حکومت پر روشنی پڑتی ہے۔کتابوں اور کتابی علم کے خلاف اور عقل وفلسفہ کے خلاف لطائف ،علم میں لطائف۔

ان زمروں کے ذیلی زمرے بھی قائم کئے جاسکتے ہیں، مثلاً گنہگاروں پر نزول رحمت کے مختلف اسباب قائم کئے جاسکتے ہیں۔جن مین ایک سبب کسی انسان یا جانور سے رحم کا برتاؤ ہوسکتا ہے۔ کرامات کے ذیل میں بہت سے عنوان قائم کیے جاسکتے ہیں ، مثلاً دست غیب ، دریائے زرع،علم غیب یا پیشگی علم ، مسیحائی ، ہدم وغیرہ وغیرہ ۔غلاموں کے تعلق سے کئی ذیلی زمرے قائم کیے جاسکتے ہیں ، مثلاً غلاموں کے ساتھ برتاؤ، ان کو آزاد کرنا، غلاموں کی کمائی پر جینا، بھاگے ہوئے غلاموں کی بازیابی ۔ یہ ذیلی مدیں صرف مثال کے لئے دی گئی ہیں کہ کس طرح ایک ہی مد سے کئی مدیں نکل سکتی ہیں۔

جلالی لطیفے:

جلالی نوعیت کے لطیفوں کی شیوخ کے ملفوظات اور تذکروں میں کوئی کمی نہیں ۔ کسی بزرگ کے حالات میں ان کا عنصر زیادہ ہے اور کسی میں کم ۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ بزرگ جو محبت شفقت اور رافت کا نمونہ تھے ان کے یہاں بھی جلالی لطیفے ناپید نہیں۔ ایک دومثالوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔''خیر المجالس'' مین شیخ نظام الدین اولیاء کی زبانی یہ لطیفہ بیان کیا گیا ہے کہ شیخ فرید کی خدمت میں ایک درویش حاضر ہوا۔ شیخ نے اسے کوئی چیز دلوادی اور اس سے واپس جانے کے لئے کہا ۔ وہ کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ شیخ وہ کنگھا مجھے دیدو ۔ شیخ خاموش رہے۔ درویش نے پھر وہی بات کہی ۔ شیخ اب بھی خاموش رہے۔ تیسری بار درویش نے آواز اونچی کرکے کہا کہ شیخ کنگھا دے تو تجھے برکت ہوگی۔شیخ نے کہا کہ وہ برکت میں نے تیرے لئے پانی میں روانہ کردی۔ وہ درویش وہاں سے جانے کے بعد بستی کے نزدیک ایک جگہ پانی میں غسل کرنے کے لئے اترا۔ پانی پایاب تھا لیکن اس شخص کا پھر کچھ پتہ نہ چلا ۱۸؎ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں۔ کہ حال کے ایک مورخ نے شیخ فرید پر اپنی تصنیف میں اس کو اس نقطہ پر ختم کردیا ہے کہ جب شیخ نے کہا'' آں برکت ترا در آب رواں کردیم'' اور درویش کے انجام کا ذکر صرف نظر کردیا،جس سے لطیفہ کی جلالی شان واضح ہوتی ہے ۱۹؎''خیر المجالس'' میں ہی بابا فرید کا ایک اور جلالی لطیفہ درج ہے کہ جس میں شیخ لڑکوں کی شکایت پر اجودھن کے متصرف کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا ۔۲۰؎ ''خیر المجالس'' کے مؤلف نے فردوسی سلسلہ کے شیخ عماد کے دونوجوان لڑکوں کے جمنا میں ڈوب جانے کو شیخ نظام الدین اولیاء کی کرامات سے منسوب کیا ہے ۔ ان نوجوانوں نے قبلاً شیخ کے بارے میں بے ادبانہ الفاظ ادا کیے تھے۲۱؎

جلالی لطائف کی بھی زمرہ بندی کی جاسکتی ہے جس سے ایک نوعیت کے جلالی لطیفوں کی صف بندی سے ان کے تناظر ماقبل پر روشنی پڑسکتی ہے اور اس طرح بھی رہنمائی ہوسکتی ہے کہ کون سالطیفہ کہاں سے لیا گیا ہے؟ شیخ کے جلال کے نتیجے میں معتوبین کے پیٹ میں درد، سردرد، بینائی کے زوال ، اور اسی قبیل کی زحمت کے لطائف چشتی سہروردی بزرگوں کے حالات میں بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ بالکل ایک جیسے لطائف مختلف بزرگوں کے حالات میں ملیں تو یہ واضح اشارہ ہے کہ لطائف نگار کی کوشش تھی کہ اس کے ممدوح پیر کا پلڑا اس کمال میں نیچے نہ رہ جائے۔ اس بات سے تو شاید زیرتحریر مضمون کے ناقد بھی متفق ہوں گے کہ جلالی لطیفوں کا درجہ اعتبار کچھ کم ہوجائے تو تاریخ تصوف کے حق میں بہتر ہی ہوگا۔لیکن خیرالمجالس'' میں بیان کردہ جلالی لطائف کی صحت کوتو غالبًا تسلیم

کرنا ہی پڑے گا۔

لطائف حسن وعشق:

صوفیانہ ادب میں عشق مجاز کے قصوں کی چاشنی وافر مقدار میں موجود ہے، بلکہ بعض اوقات خیال ہوتا ہے کہ اس قبیل کے قصوّں کا تناسب توقع سے کہیں زیادہ ہے۔ کچھ قصے تو اس قسم کے ہیں جو عشق ومحبت الٰہی کے نکات کو عشق مجازی کی مثال دے کر سالکین کو سمجھانے کے لئے بیان کیے گئے ہیں۔ پھر بعض قصےّ حضرات صوفیہ کے واردات مجاز کے بارے میں اور بعض غیر صوفیہ لوگوں کے بارے میں ہیں۔

صوفیانہ ادب میں لطائف الجمال کو جمع کیا جائے تو خاصی تعداد ہوجائے گی ۔ یہاں نہ ان کا حال پھیلا کر بیان کرنا مقصود ہے اور نہ بات کو طول دینا۔ البتہ غور کرنے والے اسکالر کے ذہن میں ایک دو باتیں ضرور کھٹکیں گی۔ ایک تو یہی کہ صوفیانہ لطائف میں مجازی عشق کے قصوں کا اتنا مواد کیوں ہے؟ کیا ان کے بغیر بات کو سمجھنا بالکل ناممکن تھا؟ اس آخری سوال کا جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ محبت چونکہ بشری زندگی میں ایک آفاقی جذبہ ہے، ہر شخص اس سے واقف ہے اور تھوڑا بہت تجربہ رکھتا ہے۔ اس لئے عشق الٰہی کے معاملات ومقامات کو سمجھانے کا مجاز کے حوالہ سے کچھ آسان تر ہوجاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس تمام مسئلہ پر علم نفسیات کا ماہر نظر ڈالے تو عین ممکن ہے کہ اسے کوئی پہلو نظر آئے جو تاریخ کے طالب علموں کی نظر سے پوشیدہ ہے۔

آخر میں قارئین کی دلچسپی اور تفہیم کے لئے اس قبیل کے دو لطیفے بیان کیے جاتے ہیں:
اولیاء کی موت کا ذکر کرتے ہوئے شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ ''موت کے وقت اولیاء کی حالت وہی ہوتی ہے کہ جیسے کوئی شخص بستر میں سورہا ہو اور اس کا معشوق اس کے بستر میں آجائے او اس آدمی کی آنکھ کھل جائے اور وہ معشوق کو اپنے بستر میں دیکھے، جس کی اسے ایک عمر سے طلب تھی، تو تم جانتے ہو کہ اسے کیا خوشی اور فرحت حاصل ہوگی''۲۲۔ اس لطیفہ میں خوبی یہ ہے کہ اس کے سنانے کی توجیہ اور مقصد آخری جملہ میں موجود ہے۔ موت کے بعد واصل بہ حق ہونے کی لذت بے حساب کی توقع کو ایک ایسی مثال سے سمجھا سکتے ہیں۔ (''دانی اوراچہ شادی وفرحت آید'')
دوسرا لطیفہ ''رسالہ قشیریہ'' سے لیا گیا ہے۔ ''یحی بن معاذ فرماتے ہیں کہ جو شخص نا اہل

لوگوں میں اپنی محبت کا ذکر کرے، وہ اپنی محبت میں جھوٹا ہے ۔ کہتے ہیں کہ ایک مرد نے کسی سے اپنی دوستی کا دعویٰ کیا۔ اس جوان نے اس مرد سے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، میرا بھائی مجھ سے بہتر اور زیادہ حسین ہے۔ اس شخص نے سرموڑ کر (اس کے بھائی کی طرف) دیکھا کہ جو کوئی بھی مجھ سے دوستی کا دعویٰ کرے اور دوسرے پر نظر ڈالے اس کی سزا یہی ہے۔'' ۲۳

فوری موت کے قصے:

فوری موت کوئی انہونی بات نہیں۔ آج کل بھی ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ کسی غیر معمولی صدمہ (اور بعض اوقات غیر معمولی اور غیر متوقع خوشی) کے باعث موت واقع ہوجاتی ہے۔ صوفیوں پر جو شدید روحانی اضطراب کی کیفیت طاری ہوتی رہتی تھی، وہ جان لیوا ثابت ہوسکتی تھی ۔ شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے وصال کا واقع معروف ہے ۔ قوالی کے دوران قوّال سے یہ شعر سن کر ان کی حالت غیر ہوگئی۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است

تین روز کے مسلسل اضطراب کے بعد ان کا وصال ہوگیا۔ اس شعر کے معانی میں فنا اور بقاء کے مضمون کو جس خوبصورتی سے سمودیا گیا ہے، اسے الفاظ کے حسن اور شعر کی غنائی تاثیر نے دوبالا کردیا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ چھوٹی بحر کا یہ شعر ان کے لئے نشتر کا کام کرگیا۔ اس واقعہ کو قبول کرنے میں اس لئے بھی تکلیف نہیں ہوتا کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' میں اس کا ذکر ہے ۲۴ اور مزید یہ کہ شیخ کاکی کا انتقال فوری طور سے واقع نہیں ہوا بلکہ تین روز کی اضطرابی کیفیت کے بعد ہوا۔ لیکن جب ہم ''گلزار ابرار'' میں پڑھتے ہیں کہ نہروالہ کے سید احمد حامد نے جوش وخروش کی کیفیت میں قوالوں سے وہی غزل گانے کی فرمائش کی اور جب قوال اس شعر پر پہنچے (کشتگان خنجر الخ) تو اضطرابی کیفیت بڑھ گئی اور اذان سن کر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور سجدہ میں جا کر ابدی وصال حاصل کرلیا ۲۵۔ تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آیا حضرت کاکی کے واقعہ کا چربہ تو نہیں؟

فوری موت کا ایک عجیب وغریب واقعہ، جس کا جہانگیر بادشاہ خود عینی گواہ تھا، ملا علی مہر کن کا ہے۔ اس کا حال جہانگیر نے خود اپنی تزک میں لکھا ہے ۲۶ اور اس کے بیان پر شبہ کرنے کا کوئی سبب نہیں ۔ مختصراً واقعہ اس طرح ہے کہ شاہی محفل میں قوّال قوالی گارہے تھے جس میں ٹیپ کا بند یہ

مشہور شعر تھا، جس کا پہلا مصرع شیخ نظام الدین اولیاء سے منسوب ہے اور دوسرا امیر خسرو سے۔

ہر قوم راست را ہے دینے وقبلہ گا ہے   من قبلہ راست کردم برسمت کج کلا ہے

جہانگیر نے دوسرے مصرع کے معنی پوچھے تو ملا علی نے اس شعر سے منسوب واقعہ بیان کیا اور جب دوسرا مصرع پڑھا تو پڑھتے ہی گر گئے اور جاں جان آفریں کے سپرد کردی۔ حضرت کا کی اور ملا علی کے واقعات کی صداقت پر شبہ کرنے کا کوئی سبب نہیں، لیکن صوفیہ کے لطائف میں فوری موت کے واقعات کی جو کثرت ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ بات لطیفہ کی تاثیر بڑھانے کیلئے تو استعمال نہیں کی گئی ہے اس قبیل کے سب واقعات اگر نا قابل یقین نہیں تو سب لائق یقین بھی نہیں۔

لطائف کا استناد اور اعتناد:

کتاب اللمع، طبقات الصوفیہ (ابو عبد الرحمٰن سلمی) اور رسالہ قشیریہ میں بہت سے لطائف کی سند بلکہ سلسلہ اسناد بھی دیا گیا ہے جس سے اس حد تک اطمینان ہوجاتا ہے کہ جو بات لکھی گئی وہ کسی نہ کسی معروف ذریعہ سے موئف تک پہنچی ہے۔ اس سے یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ بیان کیا ہوا واقعہ بالذات صحیح ہے، لیکن صحت عدم صحت کے بارے میں کم از کم مؤلف کی ذمہ داری کم ہوجاتی ہے۔ اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ابو عبد الرحمٰن سلمی کے رسالہ ''ملا مثیان وصوفیان وجواں مرداں'' کے فاضل مصحح ڈاکٹر ابو العلا عفیفی نے یہ رائے بڑی مضبوطی سے ظاہر کی ہے کہ حدیث کے معاملہ میں سلمی شائستہ اعتبار سے نہیں اور انہوں نے صوفیہ کے مقاصد کی تائید میں حدیثیں وضع کی ہیں ۷۲۔ لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حدیث کے معاملہ میں اس پایہ کے مصنفین نے یہ رویہ اختیار کیا ہے تو پھر خود صوفیہ کی روایات میں کس حد تک احتیاط برتی ہوگی! اس امر کے پیش نظر سائمن ڈیگبی نے خانقاہوں کے حوالے سے جو اختراعی فضا (Inventive atmosphere) کا ذکر کیا ہے وہ بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا۔

جنوبی ایشیا کے حوالہ سے شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظ ''فوائد الفائد'' مرتبہ حسن دہلوی اور کسی درجہ کم پر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے مفلوظ مرتبہ حمید قلندر، تمام ملفوظات میں سب سے مستند سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں ملفوظات کی تحریر میں بڑی احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور سلطان المشائخ اور چراغ دہلوی نے وہ حصے قلمزد کردئے، جن میں ان کی غلو آمیز مدح تھی

یا ان کی کرامات کا ذکر تھا۔مگر احتیاط کے باوجود ان دونوں میں فوق العارف واقعات کا معتد بہ مواد ملتا ہے۔ امیر خورد کرمانی کی ''سیر الاولیاء'' میں یہ مواد کچھ اور بھی زیادہ ہے۔''فوائد الفواد'' اور ''خیر المجالس'' میں جو واقعات سلطان المشائخ اور چراغ دہلوی کے اپنے اپنے مشاہدہ کے حوالہ سے لکھے گئے ہیں ان میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، لیکن ایسے واقعات جو براہ راست مشاہدہ پر مبنی ہوں ان کا تناسب کم ہے اور بیشتر لطائف وواقعات دوسروں کے حوالے سے بیان کیے گئے ہیں۔

شیخ شرف الدین منیری کے ملفوظات میں لطائف کا عنصر کم ہے اور مجموعی طور سے ان کے ملفوظات کا پایہ اعتبار بلند ہے ۔مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ملفوظات میں مختلف الالوان لطائف ملتے ہیں اور مزید براں الحاق مواد کا بڑا ٹیڑھا مسئلہ ہے۔''سراج الہدایہ'' کے فاضل مصحح قاضی سجاد حسین صاحب نے تلاش وتجسس کے بعد ثابت کیا ہے کہ سراج الہدایہ میں دوسروں کی تصنیف کے رسالے کے رسالے نقل ہیں اور جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں وہ بیشتر موضوعی ہیں ۲۸۔ لیکن مخدوم کا دوسرا ملفوظ ''جامع العلوم'' زیادہ وقیع اور لطائف سے بھی پر ہے۔

ملفوظات کی صحت اور درجہ اعتبار کے بارے میں کچھ ذکر مضمون کے اختتامیہ میں آئے گا۔

حرف انتباہ:

کچھ انواع کے لطائف اور قصوں کی طرف سے محقق کو خصوصاً ہوشیار رہنا ضروری ہے۔ ان میں سب سے مؤثر تدبیر لطائف کی زمرہ بندی اور ذیلی زمرہ بندی ہے۔ زمرہ کے فوائد میں اہم ترین یہ ہے کہ اگلے پچھلے مماثل لطائف کا تقابلی مطالعہ کرکے لطیفہ کی قدامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہ بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ اس نے بعد میں کیا کیا شکلیں اختیار کیں، اس طرح لطیفہ کا درجہ قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ مزید یہ کہ بعض انداز کے لطائف کو پرکھنے میں بڑی ہوشیاری اور استعمال میں احتیاط مزید کی ضرورت ہے ۔ ان لطائف میں ایک تو وہ ہیں جو ازقسم مثالیہ (Parable) ہیں اور دوسرے وہ جو مہتم بالشان معلوم ہوتے ہیں۔

اختتامیہ:

یہ مضمون اصلاً ''فکر ونظر اسلام آباد کے اس شمارہ میں شائع ہونے کے لئے لکھا گیا تھا جو مرحوم مولانا صباح الدین عبد الرحمٰن سے منسوب تھا۔ اس مناسبت کے پیش نظر مولانا کی نگارشات پر تبصرہ وتحسین

کے چند جملے بےمحل نہ ہوں گے۔ یہ اجمالی تبصرہ اس مضمون کے بعض پہلوؤں سے بھی مربوط ہے۔

راقم الحروف کی نظر میں صوفیانہ مطالعے کے سلسلہ میں مولانا مرحوم کا سب سے اہم کارنامہ ان کا وہ مضمون ہے جو انہوں نے بزم صوفیہ کے آخر میں بطور ضمیمہ کے دیا ہے اور جس کا عنوان ''ملفوظات خواجگان چشت'' ہے ۔ مرحوم پروفیسر محمد حبیب نے اب سے کوئی اڑتیس سال پہلے ایک بڑے اہم اور تاریخی ساز مضمون ۲۵؎ میں قدیم چشتی ملفوظات کو جعلی قرار دیا تھا۔ ان میں منجملہ دوسرے ملفوظات کے شیخ عثمان ہاروتی ، شیخ معین الدین اجمیری ، شیخ قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ فرید شکر گنج کے ملفوظات جو علی الترتیب ان کے خلفائے اعظم سے منسوب تھے، شامل ہیں۔ ان کتابوں پر پروفیسر صاحب مرحوم نے یہ اعتراض کیے کہ ان میں بے سروپا باتیں ہیں، کرامات کی بھر مار ہے اور صاحب ملفوظ سے ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں ، جو نا قابل تصور ہیں کہ انہوں نے کہی ہوں۔ مولانا صباح الدین عبد الرحمٰن مرحوم نے اپنے مضمون میں اسی قسم کے اعترافات ان ملفوظات پر وارد کیے ہیں جنہیں عموماً معتبر سمجھا جاتا ہے۔خصوصاً فوائد الفواد'' اور خیر المجالس'' پر مولانا نے ان کا تنقیہ کرکے بالتفصیل بتایا ہے کہ ان میں بھی اسی قسم کی بے سروپا اور محیر العقول باتیں ہیں جن کی بناء پر قدیم مفلوظات کو بے اعتبار قرار دیا گیا ہے ۔ شیخ نصیر الدین چراغ کے مفلوظات ''خیر المجالس'' (مرتبہ حمید قلندر) کے بارے میں مولانا مرحوم نے نشاندہی کی ہے کہ سید محمد گیسودراز کے بیان کے مطابق جب ''خیر المجالس'' کا ایک جزوصاحب ملفوظ کو دیکھا یا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''من چیزے دیگر گفتہ ام' مولانا حمید الدین چیزے دیگر نبشتہ است'' اور یہ کہہکر وہ جزو باہر پھینک دیا۔

مولانا نے '' فوائد الفواد'' اور ''خیر المجالس'' کی جو تنقید کی ہے اس سے صرف ایک بات نکل کر آتی ہے اور وہ یہ کہ ان مآخذ کو حزم واحتیاط سے استعمال کرنا چاہئے اور یہ موقف عالمانہ ہے، معاندانہ نہیں۔ یہ وہ بنیادی بلکہ ابتدائی احتیاط ہے جو تاریخ کے ہر طالب علم کو، چاہے وہ کسی درجہ کا ہو، ہر تاریخ مآخذ کے بارے میں برتنا پڑتی ہے چاہے وہ کسی نوعیت کا ہو۔صوفیانہ ادب میں مثالیات، کرامات ، شطحیات اور اختراعی مواد کے شامل ہونے کے باعث احتیاط مزید کی ضرورت ہے۔

پروفیسر حبیب نے قدیم چشتی ملفوظات کی تنقید کے سلسلے میں ایک بڑی پتے کی بات کہی ہے کہ ''تاریخی زمانہ کے بارے میں کوئی کرامات نہیں ہوسکتیں ۔'' ان ملفوظات قدیم میں چونکہ ایسے اشخاص کو جن کے زمانوں میں ایک صدی ،دوصدی اور تین صدی کا فرق ہے یکجا اور ہم کلام دکھایا گیا ہے اس لئے

اس اصول کے مطابق یہ ملفوظات لائق اعتبار نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جن ملفوظات پر یہ اعتراض حتمی ہے اور کسی غلط فہمی پر مبنی نہیں ہے، وہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہوجائے گا، در اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ اس معیار کو مرکزی موضوع بنا کر سارے صوفیانہ ادب کی چھان بین کی جائے۔ کشف المحجوب میں جو تصوف کی معتبر ترین کتابوں میں ہے بایزید (وفات ۲۶۱ھ/ ۸۷۵ء۔۸۷۶ء) کو ایک پختہ عمر کا انسان دکھایا گیا ہے، جنہوں نے شقیق بلخی (وفات ۱۹۴/ ۸۰۹۔۸۱۰) کو اس طرح کا مشورہ بلکہ ہدایت بھیجی جیسا کہ بزرگ اپنے سے خام تر لوگوں کو بھیجتے ہیں۔۲۶ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ شقیق بلخی کی وفات بایزید کی وفات سے ۶۷ سال پہلے واقع ہوئی تھی۔ خود ''خیر المجالس'' میں رابعہ بصری (وفات ۸۰۱م) اور خواجہ حسن بصری (وفات ۷۲۸م) کو ہم کلام دکھایا گیا ہے۔ اگرچہ دونوں کی تاریخ وفات میں قریب پچھتر سال کا فرق ہے اور موضوع گفتگو بھی ایسا ہے کہ اس کا یہاں نظر انداز کرنا ہی بہتر ہے ۳۷۔ ''جوامع الکلم'' اس سے بھی آگے ہے، اس لئے کہ اس میں خواجہ حسن بصری، رابعہ بصری، ابراہیم ادھم (وفات ۷۷۶یا ۷۹۰) اور ذوالنون مصری (وفات ۸۵۹م) کو یکجا دکھایا گیا ہے۔ ۳۸۔ حالانکہ اول الذکر اور آخر الذکر کے سال ہائے وفات میں ۱۳۱ سال کا فرق ہے۔ اسی طرح'' جامع العمو' میں مخدوم جہانیاں گشت سے روایت ہے کہ منصور حلاج (مقتول ۳۰۹/ ۹۲۲) کے قتل کا فتویٰ قاضی ابو یوسف (وفات ۱۸۲ھ/ ۷۹۸ء) نے دیا تھا ۳۹۔ یہ بات بھی سالوں کے تفاوت کے باعث ناممکن الوقوع ہے۔

یہ مثالیں ایسی ہیں جو اتفاقاً نظر پڑگئیں۔ تلاش کی جائے تو اس قسم کی غلطیاں کم وبیش ان تمام ملفوظات، تذکروں اور اصول تصوف کی کتب میں ملیں گی جو مقابلتاً زیادہ معتبر سمجھیں جاتی ہیں۔ اور یہی مرحوم مولانا صباح عبد الرحمٰن کے محولہ بالا مقالہ کا اصل سبق کہا جاسکتا ہے کہ کسی ملفوظاتی آخذ کو مستند نہیں فرض کرلینا چاہئے اور قدیم چشتی مفلوظ کی طرح دیگر ملفوظات کو بھی تنقید کی خوردبین کے نیچے رکھ کر جانچنا ضروری ہے۔

(باقی حصہ اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆